حق اور باطل

نعیم صدیقی

(۲)

دوسرا سوال

دوسرا سوال جو اسلام کے نظام صالح کے قلیل مدت تک چلنے کے بارے میں اٹھایا جاتا ہے اور جس کے اندر دراصل یہ استدلال چھپا ہوتا ہے کہ جب ایک نظام اپنے آپ کو زیادہ دیر تک زندہ رکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا تو آخر اس کے لئے بیش بہا قربانیاں کیوں دی جائیں اور اس کے بجائے کیوں نہ کسی دوسرے نظام کو اختیار کر لیا جائے ـــــ اپنے جواب میں متعدد ضروری تصریحات چاہتا ہے۔ ہم ان تصریحات کو نمبروار درج کرتے ہیں :-

اول :-

اگر کسی اصول یا نظام کو قبول کرنے اور اسے عملاً برپا کرنے کی جدوجہد میں شریک ہونے کے لئے شرطِ اول یہ ہوتی کہ اس کا ماضی میں دیر تک چلنا ثابت کر دیا جائے تو شاید نہ دینِ جمہوریت کو کوئی کارکن ملتا اور نہ دینِ اشتراکیت کو۔ ان دونوں نظاموں میں سے کسی ایک کو بھی ماضی کی تاریخ میں قدم جمانے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن ان کے علمبرداروں نے اپنے لئے صرف یہ بات کافی سمجھی کہ ان کا عقلی اطمینان ہو جائے۔ جب ان کے دلوں نے یہ گواہی دی کہ یہ اصول و نظام برحق ہے اور افادیت اسی میں ہے تو پھر انھوں نے اس کے لئے بازی لگا دی۔ وہ احمق ہوتے اگر عقلی اطمینان کے بعد اور دل کے ٹھک جانے کے بعد پھر یہ سوچنے بیٹھ جاتے کہ جب پہلے ہزاروں انسانی نسلیں گزر گئیں اور کسی کو اس اصول و نظام کو قائم کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو آج ہم یہ حرکت کس امید پر کرنے لگے ہیں ؟

ان دونوں رائج الوقت نظاموں کے بخلاف اسلامی نظام کے علمبرداروں کے لئے تو عملی تحریک کا دوہرا

سامان موجود ہے۔ وہ اپنے لئے عقلی اطمینان کے پورے وجوہ بھی اسلام میں پاتے ہیں، اور پھر وہ تاریخ سے یہ شہادت بھی پاتے ہیں کہ یہ نظام پہلے بھی قائم رہا ہے اور اپنی معیاری شکل میں تیس سال تک ماضی قریب میں چل چکا ہے، جب کہ وسائلِ تمدن موجودہ دور سے بہت کم تھے۔

تعجب ہے کہ جن نظاموں کا کوئی ماضی نہ تھا انھیں جب کارکن مل گئے تو وہ نہ صرف قائم ہوئے بلکہ ساری دنیا پر ان کے اثرات پھیل گئے، لیکن جس نظام کا ایک مضبوط ماضی موجود ہے اس کے کارکن تذبذب میں مبتلا رہیں۔

دوم :۔

یہ سمجھنا کہ اسلام دنیا میں صرف ایک بار برپا ہوا اور وہ بھی تیس سال کے لئے، قرآن اور تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے اندر اسلامی نظام کو قائم کیا، پھر یوسف علیہ السلام کے ذریعے یہ مصر میں قائم ہوا اور دیر تک اس کے اثرات قائم رہے، پھر سلیمان علیہ السلام نے اسے برپا کیا اور ایک مدت تک اسے بڑی وسعتوں کے ساتھ چلایا ـــــــــ اور نہ معلوم تاریخ کے مختلف ادوار میں اور کون کون سے انبیاء و صلحا کس کس خطے میں ایسے گزرے ہوں گے جنھوں نے اسی نظام کو بار بار برپا کیا ہو گا (قرآن میں صرف ان اقوام کے انبیاء اور ان ملکوں کی دینی تاریخ کا تذکرہ ہے جس سے عرب براہ راست متعارف تھے) پھر آخر میں نبی صلعم کے ذریعے یہی نظامِ حق اپنی معیاری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ اس پر نہ معلوم لوگ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ اسلامی نظام دنیا میں صرف تیس سال چل کے ختم ہو گیا۔ اسلامی نظام تو بار بار اپنے آپ کو دہراتا چلا آ رہا ہے!

بخلاف اس کے کوئی غیر اسلامی نظام ایسا نہیں جو مٹ مٹ کر پھر قائم ہوا ہو۔

سوم :۔

"صرف تیس سال" کا وہ مفہوم بھی غلط ہے جو معترض حضرات لیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ساتھ اسلامی نظام بھی بالکل شہید ہو گیا اور اس کی پوری عمارت پیوندِ زمین ہو گئی۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں، اصل صورتِ حالات جو کچھ تھی وہ یہ تھی کہ پورے اسلامی نظام میں سے ایک "اصولِ انتخاب" ساقط کر دیا گیا، باقی سب کچھ جوں کا توں رہا۔ قانون وہی تھا، اقامتِ عبادات کا نظم وہی تھا، جہاد فی سبیل اللہ کی سرگرمیاں

اسی طرح رہیں، معاشرتی نظم وہی رہا، عوامی اخلاق کی حالت ویسی ہی تھی، نظامِ تعلیم اسی طرح تھا۔ بلاشبہ معیاری نظام کو جب ہم سامنے رکھتے ہیں تو اصولاً ہم بھی رائے قائم کرتے ہیں کہ نظام بدل گیا، لیکن یہ تبدیلی کلی نہ تھی، بلکہ بگاڑ نے اس قلعے میں گھسنے کا ایک چور دروازہ بنا لیا تھا۔ یہ تبدیلی بہت ہی تدریجی طریق سے واقع ہوئی۔ ایک عمارت میں سے آہستہ آہستہ ایک ایک اینٹ بدلی جاتی رہی اور بہت دیر کے بعد جا کر اس عمارت کا بیشتر حصہ متغیر ہوا۔

اصل میں سارا بگاڑ شاہی محل اور دربارِ خلافت کے اندر برپا ہوا لیکن عوامی زندگی بہ حیثیت مجموعی اُسی صالح نقشے پر استوار رہی جیسے دورِ سعادت میں جما دیا گیا تھا۔ یہ حالت سات آٹھ سو سال تک جاری رہی۔ بالکل آخری دو چار صدیاں ایسی تھیں جب کہ عوام میں اخلاقی انحطاط پھیلا، معیشت و معاشرت میں مفاسد گھسے اور سوسائٹی اسلامی بنیادوں سے اکھڑنے لگی، اور انھی صدیوں میں امت کا سفینہ زوال کی موجوں کا شکار ہوا۔ جب تک نظامِ حق کی اصل قدریں زندگی میں غالب رہیں مسلمان ترقی کرتے گئے، اگرچہ ان کے سلاطین و امرا بگڑتے چلے جا رہے تھے، لیکن جب نظامِ حق کی قدریں کمزور پڑ گئیں تو پھر زوال غالب آ گیا۔

یہ اسی تیس سال کے معیاری دور کا کرشمہ تھا کہ اس کی پیدا کردہ اخلاقی قوت ملتِ اسلامیہ کو کئی صدیوں تک ترقی کی راہ پر دوڑاتی چلی گئی اور تاریخ میں سے ان کو ایک لمبا دورِ اقبال عطا کیا گیا۔ اس تیس سال کی پیدا کردہ قوت جب گھٹنے لگی اور اس کی کمی کو پورا کرنے کا کوئی اہتمام نہ کیا گیا تو مسلمانوں کے تمدن کی گاڑی پہلے سست رفتار ہوئی، پھر دھیمی ہوتے ہوتے بالکل رک گئی۔

اس ہزار سال کے دور کو لوگ جب "صرف تیس سال" کے الفاظ میں سمیٹ کر سامنے لاتے ہیں تو ناواقف آدمی کو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔

چہارم :-

اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے علمبرداروں نے نبی صلعم کی قیادت میں جب اسے بہ حیثیت نظام کے قائم کر دیا، تو چاہے وہ بقولِ معترضین صرف تیس سال چلا ہو ——— بہرحال اپنی پوری معیاری شان کے ساتھ چلا۔ نبی صلعم اور آپ کے صحابہ اور مسلمان عوام سب کے سب اس بات پر پوری طرح مطمئن تھے کہ جو کام

ان کو کہنا تھا اسے کما حقہٗ انجام دے دیا اور ان کو نہ کوئی معذرت کرنی پڑی، نہ کوئی حسرت لے کر وہ رخصت ہوئے۔ انھیں جیسی زندگی مطلوب تھی، اسے عملاً سو فی صدی معیار پر قائم کر کے دکھا دیا۔

لیکن آج جن نظاموں سے مرعوب ہو کر لوگ "صرف تیس سال" کا سوال اٹھاتے ہیں، انھوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ یہ جمہوریت اور یہ اشتراکیت تو اپنے معیارِ مطلوب کے مطابق اب تک زمین کے اوپر ایک لمحے کے لئے بھی قائم نہیں ہوئیں۔

جمہوریت کے تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ معیاری جمہوریت ابھی تک کتابی اصولوں میں تو پائی جاتی ہے، سطحِ ارض پر نافذ نہیں ہے۔ برنارڈ شا کے الفاظ میں ابھی بمشکل یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے لئے تڑکے کا وقت آیا ہے (POCKET HISTORY OF THE WORLD) ہنڈرک وان لون اپنی تاریخِ عالم کے آخر میں کیا خوب کہتا ہے کہ "لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ ابھی ہم درجنوں غلط پگڈنڈیوں کو اختیار کریں گے، تب کہیں جا کر شاید صحیح سمتِ سفر پا سکیں۔"

مارکسزم کے متعلق بھی یہ بالکل واضح ہے۔ اس کے مومنین خود کہتے ہیں کہ ابھی ہم ایک عبوری دور (TRANSITIONAL PERIOD) میں سے گزر رہے ہیں۔ معیاری حالت جو ان کے پیشِ نظر ہے اس میں پہنچنے کے بعد ایک تو ریاست کا وجود ختم ہو جائے گا جسے آج ایک ناگزیر برائی (NECESSARY EVIL) کی حیثیت سے اختیار کیا گیا ہے، اور دوسری تبدیلی یہ آئے گی کہ ہر شخص صرف اپنی قوت و صلاحیت کے مطابق کام کرے گا اور اپنی ضروریات کے مطابق بدلہ پائے گا۔ اس معیاری حالت اور آج کی حالت کے درمیان نہ معلوم کتنی صدیوں کا وقفہ حائل ہے۔ اصل سُرخ جنت مستقبل کے بہت ہی بعید گوشوں میں مستور ہے۔

پس جن نظاموں سے آج ہمیں سابقہ ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنی معیاری شکل میں ابھی ایک منٹ کے لئے بھی برپا نہیں ہوا بلکہ ان کے علمبردار ابھی ادھ کچرے نظام لئے چل رہے ہیں۔ بخلاف ان کے اسلام اگر اپنے کارکنوں کو ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کے لئے بلاتا ہے تو انھیں ماضی میں اپنے پیش کردہ نظام کو تیس سال تک معیاری شکل میں چلتا ہوا دکھاتا ہے۔ کونسا دوسرا نظام ایسا ہے جو تیس سال نہ سہی، صرف ایک ہی سال کے لئے اپنے اصولوں کا صد فی صد عملی نفاذ تاریخِ انسانی میں دکھا دے۔

پنجم :۔

دُنیا میں اسلام کے سوا اور کوئی نظام ایسا نہیں ہے جو ایک مرتبہ مٹ جائے تو اس کے احیار کا جذبہ عوام میں برقرار رہے، یا اس میں اصولی تبدیلیاں پیدا کر دی جائیں تو ان تبدیلیوں کے خلاف جدوجہد کر کے بنیادی اصولوں کو دوبارہ تازہ کرنے کی فکر کی جائے۔

جن ملکوں میں پاپائیت تھی، وہ جب مٹ گئی تو کوئی نہ تھا جو اس کے احیار کا خواہشمند ہو۔ جاگیردارانہ نظام جہاں جہاں تھا وہاں پھر اس کی تجدید کرنے کے لئے کبھی کوئی تحریک نہ اٹھی۔ سرمایہ داری مٹتی ہے تو کوئی اس کے تنِ مردہ میں دوبارہ جان ڈالنے کے لئے کوشش نہیں کرتا، بلکہ غیر اسلامی نظاموں کے علمبردار اپنے ماضی کو کراہیت سے دیکھتے ہیں اور اپنی سابق کارگزاریوں کے لئے معذرتیں پیش کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے اسلامی نظام کے علمبرداروں کے لئے ان کا ماضی قابلِ فخر اور زندگی بخش رہا ہے اور وہ اسی ماضی کے احیار کو مستقبل کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ پسند کرتے رہے ہیں۔ دورِ حق "تیس سال" تک محدود رہا لیکن بہرحال وہ ایسا مقدس دور ہے کہ اس میں کسی کو کوئی شرمناک چیز نہیں ملتی، اس دور کے کسی واقعہ پر معذرت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور ہم اس دور کے واقعات کو نہ تو "سبق آموز غلطیاں" قرار دیتے ہیں، نہ ان غلطیوں سے بچ نکلنے کا نام ترقی رکھتے ہیں۔

جمہوری ممالک میں نظامِ زندگی متغیر ہے، لیکن لوگ اسے ترقی قرار دیتے ہیں اور پچھلے طریقوں کو نادانی کے تجربات سمجھتے ہیں۔ "حاضر" کو بدلنے کی سعی تو ہوتی ہے لیکن "سابق" کے احیار کے لئے جدوجہد کرنے کی رجعت پسندانہ حرکت کوئی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح خود کمیونزم کے نظام میں اُس سے بہت بڑی تبدیلیاں واقع ہوتی چلی آرہی ہیں جیسی تبدیلی اسلامی نظام میں امیر معاویہ کے دور میں واقع ہوئی تھی۔ بلاتشبیہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لینن اور ٹراٹسکی کا اختلاف اُس اختلاف سے کم زوردار نہ تھا جو اسلامی تاریخ میں امیر معاویہ کے طرزِ عمل سے امام حسین کو ہوا تھا جس طرح ہمارے ہاں تاریخ کی رو امام حسین کو شہید کرتی ہوئی آگے نکل گئی، اسی طرح روس میں اشتراکی تاریخ کی موجوں نے ٹراٹسکی کو اٹھا کے ایک خزف ریزے کی طرح پرے پھینک دیا۔ وہاں بھی نظام میں اصولاً تغیر آیا تھا، اور یہاں بھی آیا، لیکن دونوں طرف ایک جیسے واقعات کے لئے احساسات

مختلف ہیں۔ واقعہ کربلا کے ظہور پر ہماری تاریخ نے جو موڑ مڑا تھا ہم اس کو غلط کہتے ہیں لیکن روسی تاریخ نے جو موڑ مڑا تھا اس تاریخ کے بنانے والے اُس کو ترقی کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ ورنہ اگر اصل واقعات کو دیکھا جائے تو لینن جس نظام کو قائم کرنے چلا تھا اسے قائم کرتے ہوئے اسے متعدد اصولوں کو بدلنا پڑا، اور پھر اسٹالین نے اسے اور مسخ کر دیا۔ لینن نے کولکس کی بغاوت کا سامنا کرتے ہوئے ایک نئی زرعی پالیسی اختیار کی، پھر انٹرنیشنلزم سے نیشنلزم کی طرف ساری پالیسی کو پسپا ہونا پڑا، پھر مذہب دشمنی میں نرمی پیدا کرنی پڑی، پھر انفرادی املاک کے بارے میں ابتدائی اصولوں میں خاصی تحریف کی گئی، پھر مغربی امپیریلزم کے جواب میں امپیریلزم کے کٹر دشمن بن کے اٹھنے والوں کو خود امپیریلزم کا علم اٹھانا پڑا۔ یہ ساری "بدعات" واقع ہوئیں لیکن یہ ترقی کی شاہراہ کے لئے سنگِ میل قرار پائیں۔

بخلاف اس کے اسلام کے معیاری نظام میں اس طرح کی جو تبدیلیاں کی گئیں، ان کے خلاف مسلمانوں میں نفرت نمودار ہوتی رہی، صلحاء ان کے خلاف ذہنوں کو تیار کرتے رہے، اُن پر بندگانِ حق نے احتجاج کرنے کا حق ادا کیا، اور جہاں کسی اصلاح پسند کو موقع ملا، اس نے اصل معیاری نظام کے اصولوں کو از سرِ نو برپا کرنے کی جدوجہد کی۔ ایسی جدوجہد کی بہت سی مثالیں علمی و فکری تاریخ میں بھی موجود ہیں اور سیاسی تاریخ میں بھی۔ معیاری نظام کے احیاء کی کامیاب ترین مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ملتی ہے، لیکن آپ کے علاوہ بہت سے ایسے اکابر کے کارنامے بھی ناقابلِ فراموش ہیں جو اگر کُل کے کُل نظام کا احیاء نہ کر سکے تو کم سے کم اس کے جن اجزا کی تجدید کر پانا ان کے بس میں تھا، ان کو انھوں نے دوبارہ قائم کیا۔ تجدید و احیاء کی یہ اسپرٹ ملتِ اسلامیہ میں بدستور کام کر رہی ہے، اور اسی اسپرٹ کے زندہ ہونے کی وجہ سے ہم نظامِ اسلامی کی قدروں سے وابستہ ہیں اور ان کو زندگی میں عملاً کارفرما دیکھنا چاہتے ہیں۔

ششم:-

ایک پاکباز سوسائٹی، ایک صالح نظامِ حکومت اور ایک بااخلاق تہذیب و معاشرت اگر چند روز کے لئے بھی صفحۂ ہستی پر جلوہ افروز ہو تو وہ اپنے مٹ جانے سے پہلے انسانی تاریخ پر گہرا اثر ڈال جاتی ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آج اگر پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو ـــــــــ اور بالفرض وہ تیس ہی سال

چل کر ختم ہو جائے ـــــــ تو بس وہ ایک حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گی اور تاریخ انسانی اور انسانیت کے نوعی ذہن و اخلاق پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا؟ اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو پھر آپ تمدنِ انسانی کے نوامیس سے قطع نظر کرکے سوچتے ہیں۔ دن چاہے کتنا ہی چھوٹا ہو جائے، اور چھوٹے سے چھوٹے دن کو آفتاب کے سامنے کتنے ہی لکہ ہائے ابر چھائے رہیں، لیکن سورج کے طلوع کے چند فطری اثرات جمادات، نباتات اور حیوانات پر لازماً پڑتے ہیں، یہاں تک کہ بعد میں لمبی رات کی تاریکی اور ٹھنڈک بھی اگر آ کے مسلط ہوتی ہے تو بھی وہ دنیا سے سورج کے طبعی اثرات کا خاتمہ نہیں کر سکتی۔ بالکل اسی طرح نظام حق کا ظہور چاہے کتنے ہی قلیل وقت کے لئے ہو، اور بعض وجوہ سے چاہے وہ ناقص ہی کیوں نہ رہ جائے، پھر بھی اس کے اثرات انسانی زندگی پر پڑتے ہیں ـــــــ اور ان اثرات کو بعد میں تسلط باطل بھی پوری طرح ملیامیٹ نہیں کر سکتا۔

آپ نیکی اور حق کے اجتماعی نظام کو الگ رکھ کر حق اور نیکی کے سپاہیوں کے انفرادی کارناموں پر نگاہ ڈالئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ فرزندانِ انسانیت کے اچھے کارنامے ہی وہ نور ہیں جن سے ہمارا ایوانِ تاریخ روشن ہے۔ انہی کارناموں کے چراغ جلا کر ہم عظیم الشان مہموں کو سر کرنے کے لئے نکلتے ہیں، انہی کارناموں سے ہمارے ادبیات کی رگوں میں گرم گرم جذبات کا خون رواں دواں ہے، انہی کارناموں سے ہمارے افکار غذا حاصل کرتے ہیں، انہی سے ہماری انقلابی تحریکیں سرگرمی اخذ کرتی ہیں اور انہی سے ہم آج بھی خیر کا سبق لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے زرّیں کارناموں کو سامنے رکھئے اور سوچئے کہ کیا ان بہی خواہانِ انسانیت کی خدمات حق نسیاً منسیاً ہو گئی ہیں اور تاریخ پر ان کا کوئی اثر باقی نہیں ہے؟ ـــــــ ایسا نہیں ہے۔ حق اور نیکی کی راہ میں جینا تو جینا ہے، اس راہ میں مرنا عالم انسانی کے لئے ہزار در ہزار زندگیاں پیشکش کرتا ہے۔ جب پاکیزہ مقصد کے لئے ایک مرتبہ کوئی انسانی جان بھینٹ چڑھتی ہے، اس کی قیمت پہلے سے بڑھ جاتی ہے، اور اس کے فداکاری دکھانے والے عشاق پہلے سے زیادہ جوش اور ولولے کے ساتھ میدان میں آنے لگتے ہیں۔ ایک وقت میں نیکی کے لئے قربانی کا جو بیج بویا جاتا ہے، وہ پھر بار بار پھوٹتا رہتا ہے۔ ہر انسانی ایثار جو حق کے لئے خاص ہو، ایک ایسا ققنس ہوتا ہے جو بار بار اپنی راکھ سے پیدا ہوتا رہتا ہے اور اپنے نغمۂ آتشین سے فضا کو گرم کرتا رہتا ہے۔

جب انفرادی کارناموں کا اثرات اتنا دور رس ہو تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نظام حق کے ظہور کا اثر کہاں تک پہنچا ہوگا۔ چنانچہ عرب میں جو اسلامی نظام تہذیب و سیاست برپا ہوا تھا، اس نے اپنے حلقۂ اثر میں آنے والوں پر بعض ایسے فکری و اخلاقی اثرات ڈالے ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ آج تک کسی نہ کسی درجے میں برقرار ہیں۔ دوسری طرف اس نے اپنے مخالفین تک کے تہذیب و تمدن کا رخ بدل کے رکھ دیا۔ جن لوگوں کو علم و تحقیق سے کچھ بھی دلچسپی ہے وہ جانتے ہیں کہ مغرب میں نشأۃ ثانیہ (RENAISSANCE.) کا ظہور جس نے فکری آزادی کے دور کا یورپ میں افتتاح کیا براہ راست اسلام کے اثرات کا ردِ عمل تھا۔ اسی طرح مغربی اقوام کو فکری اور طبعی علوم کے خزانوں کی ساری کنجیاں بھی ان عربوں سے ہاتھ آئیں جو اسلام کے علمبردار تھے۔ پھر مغرب کی سیاسی فکر کے ارتقا پر اور اس کے تاریخی پس منظر پر اگر آپ گہری نگاہ ڈالیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ موجودہ جمہوری نظام سیاست بھی ملتِ اسلامیہ کی مخصوص فکر کا ایک بالواسطہ نتیجہ ہے۔ افلاطون کی نظری جمہوریت درحقیقت مغربی جمہوریت کو ظہور میں لانے کی محرک نہیں ہوئی بلکہ جمہوریت کی عملی روح یورپ نے عربوں سے لی اور اسے مادہ پرستی کے قالب میں لاکر برسرِ عمل کیا۔ یہ اخوت اور مساوات اور عدل وغیرہ کے جو تصورات موجودہ دور میں ابھر رہے ہیں، یہ دراصل اسلام ہی کے فکری عطیات کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ اسی طرح مغربی فلسفہ جو بدقسمتی سے خدا پرستی کے بجائے الحاد کی راہ پر چل نکلا اس کے اندر اسلامی فلسفہ کے بے شمار اثرات گندھے ہوئے ہیں، اور آج غلط افکار سے ترکیب پاکر وہ اتنے مسخ ہو گئے ہیں کہ ان کو پہچاننے میں دقت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذالقیاس قانون اور بین الاقوامی مسائل میں جدید دنیا نے اسلام سے بہت کچھ مستعار لیا ہے۔ یہی حال ادبیات کا ہے۔

اگر اسلامی نظام تیس سال کے لئے برپا نہ ہوا ہوتا تو پھر اس کے یہ سارے نتائج کہاں سے آتے؟ — پھر تو دنیا کا نقشہ دوسرا ہوتا۔ فلسفہ، سیاست، قانون، بین الاقوامیات اور مختلف علوم و ادبیات کا طرزِ نشو و نما کوئی اور ہوتا۔

پس محض "تیس سال" کہہ کر نظام حق کی قدر و قیمت گرا کر دکھانے کی جو کوشش کی جاتی ہے، وہ نہایت درجہ لغو کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام حق اگر ایک دن کے لئے بھی برپا ہو سکے —— اور پورا نہیں، آدھا پونا ہی برپا ہو سکے تو بھی آئندہ چند صدیوں کے لئے دنیا کے علم پر، دنیا کی سیاست پر، دنیا کے ادب پر،

دنیا کے قانون پر ایسے مفید اثرات چھوڑ جائے گا کہ ان اثرات کے پیشِ نظر اسے ایک دن کے لئے برپا کرنے میں اگر ہزاروں جانیں صرف ہو جائیں تو بھی سودا مہنگا نہیں۔ انسانیت کے لئے بجائے خود یہ چیز بہت بڑے درجے کا احسان ہے کہ اس کے سامنے زندگی کا ایک معیاری نقشہ عملاً پیش کر دیا جائے اور اگر یہ نقشہ زیادہ دیر کے لئے قائم نہ رکھا جا سکے تو اس کی ایک جھلک دکھا دینا بھی انتہائی خیر کا وسیلہ ہو سکتا ہے۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ ادب میں خیالی نقشے (UTOPIA) پیش کر کر کے انسانی فکری و اخلاقی ارتقا کے لئے مصنوعی طور پر تحریک دلائی جاتی ہے، لیکن اگر خیالی نقشوں کو پیش کرنے کے بجائے ایسا ہو کہ ایک واقعی منظر ساری دنیا کو دکھایا جا سکے تو وہ ارتقا کی تحریک دلانے میں کتنا مؤثر ہو سکتا ہے۔

وہ نظامِ حق جس کی تحقیر کرنے کے لئے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ "صرف تیس سال" چلا تھا، کبھی انھوں نے ٹھنڈے دل سے اس کی نوعیت اور اس کے معیار پر بھی غور کیا ہے؟ اس نظام نے ہر لحاظ سے جو حیرت انگیز معجزے دکھائے ہیں، کیا کبھی اس کا مذاق اڑانے والوں نے ان معجزوں کی لاثانیت کا بھی اندازہ کیا؟

یہ ایسا نظام تھا:-

جو ایک غیر خونی انقلاب کے ذریعہ برپا ہوا۔ پورے عرب میں اس کے قیام کے لئے چند ہزار سے زیادہ جانیں صرف نہیں ہوئیں۔

جو سی، آئی، ڈی قانونی تحکم، تشدد اور سازش کاریوں کے بغیر چلا ہے۔

جس نے بے شمار انسانوں کی زندگیوں کا پورا نقشہ یکسر پلٹ کے دکھا دیا، ان کو جاہل سے عالم بلکہ معلم، ان کو بے اخلاق سے با اخلاق بلکہ نگرانِ اخلاق، ان کو فتنہ انگیزوں سے امن پسند بلکہ نگہبانِ امن، اور ان کو بے نظم سے منظم بلکہ ماہرینِ تنظیم بنا دیا۔

جس کے تحت جرائم کا اوسط اتنا کم رہا ہے کہ آج کی مہذب کہلانے والی اقوام میں سے کوئی اپنے جرائم کی تعداد اتنی گھٹا نہیں سکی۔

جس کی عدالتوں میں گنتی کے مقدمات پیش ہوئے۔

جس کے حکمرانوں کا معیارِ زندگی ہر لحاظ سے عوام کے برابر رہا۔

جس کے علمبرداروں نے قلتِ تعداد اور بے سروسامانی میں بھی بڑی سے بڑی طاقتوں سے ٹکر لے کر ان کا زور توڑ کر رکھ دیا۔

جس کی فوجوں نے میدانِ جنگ میں شریف اخلاق کا مظاہرہ کیا اور اپنے دشمنوں پر بھی احسانات کئے۔

جس نے عوام کی فلاح و بہبود کا پورا پورا حق ادا کیا۔

جس نے اپنے اصولوں کے بارے میں کبھی سودا بازی (COMPROMISE) کی روش اختیار نہیں کی۔

جس نے جماعت کی فکری وحدت کو ایسی مستحکم بنیادوں پر اٹھایا کہ نہ کوئی عصبیت اسے توڑ سکی، نہ سیاسی تفرقہ نمودار ہوا۔

جس کے خلاف نیچے سے کوئی ردِّ عمل (RE-ACTIONARY) انقلابی تحریک نہیں برپا ہوئی۔

اور — جس میں روزمرہ کی زندگی اعلیٰ انسانی اخلاق کے مظاہر سے لبریز تھی، اور گھٹیا اخلاق کے نمونے ناپید تھے۔

یہ معیاری نظام جس کی کوئی مثال کسی غیر اسلامی فکر کے علمبرداروں کی طرف سے آج تک سامنے نہیں آسکی، اگر تیس سال تک چلا تو آخر اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ نوعِ انسانی کے سامنے زندگی کا ایک معیاری نمونہ اتنی دیر تک رکھا گیا کہ وہ اسے ہر پہلو سے خوب اچھی طرح دیکھ لے، اور پھر اس کی نقل اتارنے کے لئے جدوجہد کرتی رہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی خیالی نقشہ (UTOPIA) ہمارے سامنے ہو، آج ماضی ایک "امرِ واقعہ" کو ہمارے سامنے لئے کھڑا ہے اور ہم ایک روشن مستقبل کی تعمیر اسے سامنے رکھ کے کر سکتے ہیں۔

بالفرض اگر دوبارہ یہی صورت پیش آئے کہ اس طرح کا صالح نظام صرف تیس ہی سال کے لئے رونما ہو تو اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ انسانیت کی فلاح کی منزل آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں تازہ ہو جائے گی۔ ایک لمبی رات سے پہلے اگر ایک چھوٹا دن بھی دنیا کو نصیب ہو جائے تو آفتابِ حق کے طلوع کی برکات دن گزر جانے کے بعد بھی برابر محسوس کی جاسکیں گی۔

صحیح نقطۂ نظر ان تصریحات کو ایک طرف رکھ کر خوب سوچیئے کہ کسی اصول و نظام کے قبول یا رد کرنے کے بارے میں ایک سلیم الطبع آدمی کا طرزِ فکر کیا ہونا چاہیئے!

آپ صفائی کے اصول کو ہر لحاظ سے پرکھ کر حق پاتے ہیں، لیکن فرض کیجیئے کہ آپ ایک ایسے ماحول میں رہتے

ہیں جو سخت گندہ ماحول ہے۔ آپ کی سوسائٹی کا ہر شخص گندگی پھیلانے میں سرگرم ہے اور سوسائٹی ایک نظامِ غلاظت چلا رہی ہے۔ فرض کیجئے آپ اپنے ماحول کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سے آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول پر آج سے پچاس سال پہلے صرف ایک ہفتہ ایسا آیا تھا جبکہ یہاں ہر طرف صفائی ستھرائی تھی، ہوا میں تعفن نہ تھا، کریہہ مناظر نہ تھے، بیماریاں نہ تھیں، بلکہ پاکیزگی کا دور دورہ تھا، لیکن یہ حالت تھوڑے دنوں رہ کر ختم ہو گئی اور پھر کبھی پیدا نہ ہو سکی۔ یا آپ کو تاریخ میں ایک دن بھی ایسا نہیں ملتا۔ اب آپ کا رد عمل کیا ہو گا؟

کیا محض اس وجہ سے کہ سابق تاریخ میں صفائی کا دور بڑا مختصر سا گزرا تھا، یا سرے سے کوئی دور ایسا آیا ہی نہ تھا، اور چونکہ آج تمام لوگ غلاظت پسند ہیں اور بظاہر پائداری نظامِ غلاظت ہی میں محسوس ہوتی ہے، آپ اپنے بارے میں یہ فیصلہ کریں گے کہ آپ کو بھی غلاظت پسند اور نظامِ غلاظت کا سچا خادم بن جانا چاہیے؟

—— نہیں اگر آپ کے اندر خودی زندہ ہو گی تو آپ یوں سوچیں گے کہ غلاظت بہر حال انسانیت کے لئے غلط اور مضر ہے اور صفائی کا اصول و نظام اس کے لئے برحق اور مفید ہے، اس لئے میرا فرض یہ ہے کہ نظامِ غلاظت کے خلاف لڑنے اور اصولِ صفائی کو عملاً قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دوں۔ آپ اصول پسندوں کی طرح سوچیں گے کہ اصولِ صفائی کے تحت گزرنے والا ایک ہی دن اگر پوری زندگی کی جدوجہد کے معاوضے میں حاصل ہو تو بھی یہ غلاظت کے نظام کے تحت سو سال جینے سے زیادہ قیمتی ہو گا۔ بلکہ آپ یہ عزم لے کے اٹھیں گے کہ صفائی کا نظام قائم کرنے کے لئے غلاظت سے لڑتے ہوئے اگر ساری زندگی ختم ہو جائے —— اور عملاً اس مہم میں ایک منٹ کے لئے بھی کامیابی حاصل نہ ہو تو بھی با اصول آدمی کا طرزِ عمل یہی ہو سکتا ہے۔ اور جو لوگ اس ایمان اور اس طرزِ فکر کے ساتھ اٹھتے ہیں، بازی انھی کے ہاتھ رہتی ہے۔

بالکل اسی طرح اسلام کے اصول اور نظام کو معقول طریق سے جانچیے، اس کے برحق ہونے پر غور کیجیے، اس کے افادی نتائج کا اندازہ کیجئے، پھر اگر آپ کو یہ یقین ہو جائے کہ یہی اصول و نظام حق ہے، یہی مطابقِ فطرت ہے، یہی مفیدِ انسانیت ہے تو اس کے بعد آپ کا طرزِ عمل اس کے سوا کچھ اور رہنا ہی نہ چاہیے کہ آپ اپنی پوری قوتیں اس اصول و نظام کو برپا کرنے کے لئے صرف کر دیں۔ اگر آپ کی کوششوں سے اسلام دوبارہ تیس ہی سال چلے گا تو بھی اس تیس سال کے عرصے میں وہ خیر و برکت کے اتنے تحائف دنیا کو دے کر رخصت ہو گا کہ

اس میں بگاڑ کے دوبارہ آنے میں ایک لمبی مدت صرف ہوگی۔

یہ جو ضرب المثل ہے کہ لومڑی کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی زیادہ اچھی ہوتی ہے، اس کو اگر آپ یوں بدل لیں تو اچھا ہو کہ نظام حق کے تحت ایک دن جینا، نظام باطل کے تحت ہزار سال جینے سے زیادہ بہتر ہے۔ بلکہ آپ اس سے بھی آگے بڑھیں اور یہ نظریہ سامنے رکھیں کہ غیر اسلامی نظام کے تحت امن چین سے پڑے رہنے سے وہ موت اچھی جو اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں نصیب ہو!

مسئلہ ملکیتِ زمین

- زمین کی شخصی ملکیت از روئے قرآن
- زمین کی شخصی ملکیت از روئے حدیث
- مزارعت کا مسئلہ
- اصلاح کے حدود اور طریقے

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ جماعت اسلامی

اچھرہ، لاہور (پاکستان)